عجاز احمد، پی۔ایچ۔ڈی اسکالر
شعبۂ فارسی، کشمیر یونیورسٹی سال ۲۰۱۰ء

''موجودہ دور میں فارسی ادب کی اہمیت''

آج کے پُر آشوب اور پُر فتن دور میں جبکہ انسانی اقدار کا فقدان ہو رہا ہے اور دنیا کے گوشہ و کنار میں مادی ترقیوں کا خمار سر چڑھ کر بول رہا ہے اور انسانیت تنزلی اور گراوٹ کا شکار ہے اور ہر طرف سائنسی اور جدید علوم کا اکتساب کرنے کے لئے ہر کس و ناکس تگ و دو کرتا نظر آتا ہے ایسے حالات میں دنیا کا ہر فرد ایک عجیب سی افراتفری اور نفسانفسی کے عالم میں مبتلا ہے اس افراتفری کے پسِ پردہ اگر جھانک کر دیکھا جائے تو اس بات کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ آج کا انسان دنیاوی جاہ و حشمت، مال و دولت اور انفرادی برتری کو حاصل کرنے کے لئے محض ایک مشین کی حیثیت رکھتے ہوئے اپنے اسلاف کے کارناموں، اخلاق و کردار اور اپنے مذہب پر کاربند نہیں رہ پاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے مقصدِ تخلیق کو بھول جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں کیوں بھیجا ہے اور اس کا کام کیا ہے اور جب انسان اس مقصد کو بھول کر دنیا کی رنگینیوں، رعنائیوں اور رنگ رلیوں میں کھو جاتا ہے تو اس وقت ہلاکت کے بغیر اسے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس فساد بھرے زمانے میں جب کہ مغربیت ہمارے معاشرے بالخصوص مسلمانوں پر اپنی

چھاپ چھوڑے جارہی ہے ہم نوجوان اس صورت حال میں اپنے آپ کو مغربیت کے پنجے میں گرفتار پاتے ہیں اور ہم اپنے آپ کو اس سے الگ سمجھنا باعث عار جانتے ہیں اس مغربیت نے ہماری درخشاں تہذیب کو کھوکھلا کر دیا ہے اس لئے اس دور میں ایسی عریانیت پسند تہذیب سے بچنے اور اس سے دور رہنے کے لئے ایک ایسے ادب کی ضرورت ہے جو بیک وقت انسانی زندگی کے ہر پہلو کی ترجمانی کرتا ہو اور ہمیں اپنے نفس، دنیا کی حقیت، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی ذات، انسانی اخلاق واقدار، معاشرتی ہم آہنگی، یکسانیت، دردِ دل، غم خواری، اخوت، بھائی چارہ، عدل وانصاف جیسی گراں مایہ چیزوں سے روشناس کرے ایسا ادب جس میں دنیاوی اور آخرت کی زندگی کی عکاسی اور ترجمانی کی ہو وہ صرف فارسی ادب ہے اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ فارسی سے پہلے جو زبان درجہ اوّل کی حامل ہے وہ عربی زبان ہے اور عربی ہی ہماری مذہبی کتاب قرآن پاک کی زبان ہے اور قرآن پاک بذاتِ خود ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور احادیثِ مبارکہ وسیرتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مشعلِ راہ اور راہِ مستقیم پر لے جانے کے لئے ایک رہبر کا حکم رکھتی ہیں لیکن ان کے بعد کوئی دوسرا ادب اگر ان مثبت پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے تو وہ فارسی ادب ہی ہے کیوں کہ اسی ادب میں ہماری دیرینہ عظمت پوشیدہ ہے اور ہمارا خاص تمدّن اور ہماری تابناک تہذیب اس میں محفوظ ہے۔

چونکہ اس مقالہ کا عنوان ''موجودہ دور میں فارسی ادب کی اہمیت'' ہے اس لئے میں اسی تناظر میں بات کو آگے بڑھاؤں گا اور فارسی ادب کی ہمہ گیری اور یگا

نکت کو اجاگر کرنے کی کوشش کروں گا۔ بندۂ ناچیز نہ کوئی ادیب ہے نہ ہی مصنف و مؤلف، صرف فارسی زبان و ادب کے ایک طالبِ علم کی حیثیت سے اس اہم اور قیمتی ادب کی مختلف جہتوں کو سامنے لانے کی سعی کروں گا۔ انسان غلطیوں اور کوتاہیوں کا مجموعہ ہے اور مجھے اپنی تہی دامنی کا پورا احساس ہے اس لئے مجھ فقیر سراپا تقصیر سے بھی کئی غلطیاں سرزد ہوسکتی ہیں اس لئے قارئین سے یہ مؤدبانہ گزارش ہے کہ جب آپ کو اس مقالہ میں کسی غلطی یا کوتاہی کا احساس ہو تو ازراہِ کرم معاف فرمائیں اور مجھے طفلِ مکتب کی طرح پرکھیں جو افتاں وخیزاں مختلف مراحل طے کرتا ہے۔

اگر فارسی زبان و ادب کی کثیر الجہت تاریخ کا ذکر کریں تو مقالہ طویل ہوجائے گا مگر اس ادب کے کچھ مخصوص نکات کی طرف ضمناً اشارہ کرنا لازمی امر سمجھتا ہوں کہ فارسی زبان دنیا کی ان زندہ زبانوں میں شامل ہے جنہوں نے عربوں کو بھی متاثر کیا اگرچہ یہ حقیقت بھی مسلّم ہے کہ اسلام اور اسلام کے بانیوں نے ہر ملت وقوم کو متاثر کیا لیکن اس لحاظ سے فارسی بھی کم پایہ ادب نہیں رہا ہے جب عرب ایران پر ساسانی دور کے انحطاط کے بعد قابض ہوگئے اس وقت جو آثار پہلوی اور فارسی باستان جیسی زبانوں میں تھے سرے سے ختم نہ ہو پائے بلکہ زندہ رہے اور کئی عربی علماء و ادباء نے انھیں عربی زبان میں منتقل کیا اگر وہ ان آثار سے متاثر نہ ہوتے تو ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔ اگر ایران میں فارسی زبان و ادب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو سامانی دور سے ہی بیش بہا قیمتی آثار نظر آتے ہیں لیکن اگر حقیقت بیان کی جائے تو یہ ہے کہ جب ہم فارسی ادب کا ذکر کرتے ہیں تو بلا کسی خوف و تردید کے سعدیؔ شیرازیؒ، حافظ شیرازیؒ، فردوسیؔ طوسی، مولانا رومیؒ، عطارؒ، حکیم سنائیؒ، مولانا

جامیؒ اور ان کے علاوہ سیّد علی ہجویریؒ، امام غزالیؒ اور ہندوستان میں امیر خسروؒ، حسن دہلوی، فیضی، غنی کشمیریؒ، صرفی کشمیریؒ، حبی کشمیری، مرزا غالبؔ اور علامہ اقبالؒ وغیرہ کا نام زبان پر برملا آجاتا ہے حتیٰ کہ جو لوگ اس انمول ادب سے وابستہ نہیں ہیں وہ بھی ان کے ناموں اور کارناموں سے آشنا ہیں اور کئی ایک بزرگ حضرات ان مشہور شعراء کے اشعار بھی ازبر کئے ہوئے ہیں کیوں کہ شاعری ایک ایسی چیز ہے جس کی طرف ہر شخص مائل ہوجاتا ہے اور۔ پھر فارسی شاعری جو سراسر شیرینی اور روانی سے لبریز ہے۔ سعدیؒ کو فارسی غزل گوئی میں امامت کا شرف حاصل ہے کیوں کہ انہوں نے فارسی غزل گوئی کو ایک منفرد اور الگ صنفِ سخن کی صورت میں مشخّص کیا ہے اس کے علاوہ گلستان میں انہوں نے بہت سی اخلاقی، ادبی اور علمی حکایات بیان کر کے اپنے تجارب عالیہ کو صفحہ قرطاس پر اپنی یادگار چھوڑا ہے جو ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوسکتی ہیں گلستان کے دیباچہ میں عالمِ انسانیت کو درسِ یکجہتی دیتے ہوئے سعدیؒ ایک قطعہ میں فرماتے ہیں:۔

بنی آدم اعضای یک پیکرند — کہ در آفرینش زیک گوہرند
چو عضوی بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنتِ دیگران بی غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

(سعدیؔ)

سعدیؔ نے اس قطعہ میں عالم انسانیت کو ایک جسم سے تعبیر کیا ہے اور ہر انسان کو اس جسم کا ایک عضو بتایا ہے ظاہری بات ہے جب جسم کے کسی ایک حصہ کو درد و تکلیف ہو تو دوسرے اعضاء کو ضرور اس کی تکلیف ہوجاتی ہے اور جب تک انسان

باہمی رنج والم سے بیگانہ اور بے خبر رہے گا تب تک اسے آدمی کہنا زیب نہیں دیتا ہے دنیا کے کسی دوسرے ادب میں ایسی مثالیں مشکل سے ہی مل سکتی ہیں لیکن فارسی ادب میں ہزاروں ہیں سعدیؒ کے علاوہ مولانا رومؒ کی مثنوی کو پہلوی یعنی فارسی زبان میں قرآن پاک کی تفسیر سمجھا جاتا ہے جو عارفانِ حق کے لئے ایک رہبر اور ایک بہترین نمونہ ہے اور کئی مستشرقین اسے تصوّف کی بائبل کہتے ہیں، حافظؒ شیرازی کا دیوان آج بھی متبرک سمجھا جاتا ہے اور آج بھی اس سے فال نکالا جاتا ہے اور وہ عرفانی غزل کے شہنشاہ ہیں ان کے علاوہ ہزاروں ایسے شعراء وادباء ہیں کہ جب انسان ان کے آثار کا مطالعہ کرتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ حیران وششدر رہ جاتا ہے کہ اس مختصر سی زندگی میں یہ حضرات اتنے پُر مایہ اور گراں قدر سرمایہ کو کیسے ضبطِ تحریر میں لائے ہیں۔ جس قدر موجودہ دور میں ایشیائی باشندے اس انمول علم وادب کی طرف راغب دکھائی دیتے ہیں اس سے کہیں زیادہ یورپی باشندے ہمارے علمی وادبی سرمایہ سے بہرہ ور ہو رہے ہیں وہ ہمارے ماضی کے علمی وادبی ورثہ سے اپنا خوشحال مستقبل دیکھتے ہیں اسی لئے یورپ میں آج کل فارسی ادب کے کئی مشہور ومعروف ادباء وشعراء کے آثار ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں فارسی زبان کی شیرینی وعذوبت اور آفاقیت نے اہلِ یورپ کو اس قدر متاثر کر ڈالا ہے کہ انہوں نے فارسی آثار کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنا شروع کر دیا اور یہ گراں قدر آثار مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں بالخصوص یہ قیمتی آثار جرمن، فرانسیسی، اطالوی اور انگریزی میں ترجمہ ہوئے ہیں یورپی باشندے جن آثار کے گرویدہ نظر آتے ہیں ان میں رباعیات عمر خیامؔ، دیوان حافظؒ، کلیاتِ سعدیؒ، شاہنامۂ فردوسی، مثنوی مولانا رومؒ، کلیاتِ علامہ اقبالؒ مشہور ہیں ان

کے علاوہ البیرونی، ابن سینا، امام غزالیؒ، ذکریا رازی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں جن کے آثار سے یورپی باشندے استفادہ کرتے ہیں۔

برصغیر ہند میں فارسی ادب کافی سمٹ کر رہ گیا ہے اور فقط دانشگاہوں تک محدود ہو چکا ہے نچلی سطح سے فارسی ادب کو ہٹایا جا رہا ہے۔ ایک دور وہ تھا جب ہندوستان میں فارسی زبان درباری اور دفتری زبان تھی لیکن مغلوں کے عہد کے بعد آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوتی چلی گئی اور آج قصۂ ماضی بن کر رہ گئی ہے اور اس کے جاننے والے کیمیا ہو گئے ہیں۔ ہماری ریاست جموں و کشمیر میں بھی فارسی زبان و ادب کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی جہاں کہیں نئے کالج اور اسکول کھولے جاتے ہیں وہاں فارسی کا مضمون نہیں رکھا جاتا جس سے علمی و ادبی گھرانوں کے ہزاروں تشنگانِ ادب، تشنہ لب رہ جاتے ہیں۔ جہاں کوئی اسامی خالی پڑی ہو اس کو پُر نہیں کیا جاتا اور آخر کار وہاں فارسی کے بجائے کوئی دوسرا مضمون رائج کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فارسی کے فارغ التحصیل طلباء احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں کیوں کہ ذریعہ معاش بھی ضروری ہوتا ہے اس طرح فارسی ادب رفتہ رفتہ ریاست سے ختم ہو رہا ہے۔

تاریخ کی ورق گردانی سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ سرزمین کشمیر میں اسلام کی روشنی فارسی ادب کی وساطت سے ہی پھیلی ہے خطۂ کشمیر اس لحاظ سے انفرادی حیثیت کا حامل ہے کہ یہاں مسلمان حملات اور فتح یابی کے لئے نہیں بلکہ دینِ اسلام کی تبلیغ کی خاطر وارد ہوئے اور اس خطۂ بے نظیر میں اسلام تبلیغی جذبے سے پھیلا۔ ایک اور بات جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ یہاں یعنی کشمیر میں اسلام

عربوں کے توسط سے نہیں بلکہ جنوبی اور وسط ایشیائی مسلمان صوفیا کے ہاتھوں سے پھلا پھولا۔ خطۂ کشمیر میں فارسی زبان کا آغاز اور رواج مسلمانوں کی آمد سے ہو چکا تھا اور آہستہ آہستہ یہاں کے لوگ اس زبان میں اتنے ماہر ہو گئے کہ فارسی زبان میں ہی گفتگو کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی زبان یہاں کی علمی و ادبی زبان بن گئی۔ جن مسلمان خاندانوں کی اس خطہ پر حکومت رہی خوش قسمتی سے ان میں سے اکثر کی زبان فارسی ہی تھی فطری طور پر انہوں نے اس زبان کو ترقی و پیشرفت کے مراحل تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ چنانچہ اس امر سے سب واقف ہیں کہ کشمیر کو ایرانِ صغیر کہا جاتا تھا اس خطۂ کو اس نام سے موسوم کرنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں جن میں ایک تو یہ ہوسکتی ہے کہ یہاں کے جغرافیائی حالات یہاں کے باشندوں کا رہن سہن رسم و رواج اور آب و ہوا ایران اور وسط ایشیاء سے ملتی جلتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ وسط ایشیاء کی تہذیب وتمدن، ثقافت و فرہنگ اور فارسی زبان و ادب کا اس خطۂ پر گہرا اثر ہے تبھی اہلِ دانش نے اسے ''ایرانِ صغیر سے موسوم کیا ہے اس حقیقت کو آشکار کرنے میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ کشمیر میں فارسی زبان و ادب کی پیشرفت و اشاعت کے لئے ہزاروں علماء، فضلاء، ادباء، صوفیاء اور شعراء نے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں اور فارسی کا ایک گراں قدر علمی و ادبی سرمایہ پیچھے چھوڑا ہے اس طرح ہمارے اسلاف نے ہماری تہذیب وتمدن کو اس قدر مستحکم کر دیا ہے کہ آج تک زندہ و جاوید ہے جتنے ادباء اور شعرائے کشمیر فارسی ادب سے منسلک رہے ہیں اتنے یہاں کے باشندوں کی مادری زبان کشمیری سے بھی وابستہ نہیں رہے ہوں گے لیکن یہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل وادی کشمیر کے اکثر لوگ اپنے اسلاف کے ادبی کارناموں

اوراس عظیم وراثت کی بربادی کا نظارہ خاموشی سے کر رہے ہیں لیکن وہ اس بات سے باخبر نہیں کہ ان کی تہذیب، تمدن، ثقافت، تاریخ بلکہ تمام ماضی غارت ہو رہا ہے۔ البتہ فارسی ادب میں بھی وہ کشش ہے کہ اپنی طرف کھینچے جاتا ہے اور ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے اور پکار اٹھتا ہے۔

کنون بچشم حقارت بمن نظر داری
رسد کہ سر بگذاری بر آستانہ من
ہنوز نقشِ تو در آیینہ ی دلم پیداست
تو جاودانی در شعر جاودانہ من

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اگر ہماری قدیم تاریخ آج تک کتابی شکل میں موجود ہے تو وہ فارسی زبان وادب کے وسیلے سے ہے اگر یہ انمول خزانہ موجود نہ ہوتا تو ہم اپنے ماضی سے روشناس نہ ہو پاتے لیکن آج فارسی ادب عدم توجہی کا شکار ہے خواہ وہ اربابِ اقتدار ہوں یا اربِ علم وادب ہر کوئی اس گراں بہا ادب کی طرف متوجہ نظر نہیں آتا۔ آج کل زیادہ تر توجہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی طرف مبذول کی جاتی ہے کیوں کہ یہ وقت کا تقاضا بھی ہے اور ان جدید علوم وفنون سے بہرہ ور ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے مگر اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اپنے اسلاف کے علم وادب، تہذیب وتمدن اور فرہنگ وثقافت کو سرے سے فراموش کر دیں لہذا اربابِ اقتدار اور اعلیٰ حکام کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اس زبان کی طرف اپنی توجہ کو مبذول کریں اور اس کے احیاء کی طرف دوبارہ راغب ہو جائیں جس سے اس ہمہ گیر ادب کو جلا ملے گی اور مستقبل میں اخلاقی اقتدار کے فقدان کا خدشہ کم ہو جائے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کلاسیکل زبانوں

جن میں عربی و فارسی شامل ہیں کی ترقی کیلئے خاص اقدام اٹھائے جائیں لیکن کسی کو دوسرے کی خبر تک نہیں ہر کوئی اپنی بھلائی کی بات کرتا ہے اس حال میں فارسی کا پرسان حال کون ہوسکتا ہے شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

سنے گا کون میری چاک دامانی کا افسانہ

یہاں ہر ایک اپنے پیرہن کی بات کرتا ہے

کشمیر میں فارسی زبان وادب کی تاریخ کی تحقیق و تدوین میں حقیقی کوششوں کا آغاز، کشمیر یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی کے قیام کے بعد ہوا شعبۂ فارسی کے اُس وقت کے صدر مرحوم ڈاکٹر شمس الدین احمد صاحب نے اس موضوع کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر تحقیق و تدوین کا کام بڑی باریک بینی سے کروایا اور ہر دور کے ادب کا الگ الگ جائزہ لیا گیا تاکہ سب ادوار کے ادب کی تاریخ کو یکجا کرنے کے بعد ایک مکمل اور مفصّل تاریخ مرتب کر کے شایع کی جائے اس لحاظ سے ڈاکٹر مرحوم کی شخصیت سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے ۔ڈاکٹر موصوف وہی شخصیت ہیں جنہوں نے شعبۂ فارسی میں ۱۹۶۹ء میں تحقیقی جریدے ''دانش'' کا آغاز کیا جو آج تک فارسی زبان وادب کی نشر و اشاعت میں مصروفِ خدمت ہے انشاء اللہ تہذیب و تمدن اور زبان وادب کے تئیں خدمت کا یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا مرحوم ڈاکٹر شمس الدین احمد صاحب نے اپنے آخری خطبہ میں فارسی زبان وادب کے تئیں اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا:

''موجودہ حسنِ رہگذر سے استفادہ کر کے میں فارسی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں اور خصوصیت کے ساتھ کشمیر کے فارسی شناسوں سے مخاطب ہو کر کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے

اس عظیم وطن کی فارسی شناسی کی طلائی روایات کو نمایاں اور روشن کرنے کی نیت سے کتاب خانوں میں جا کر اپنے آباء واجداد کے چھوڑے ہوئے ان خزانوں کو کھنگالیں جن میں ہماری دیرینہ عظمت پنہان ہے اور ہمارا خاص تمدن اور ہماری درخشاں تہذیب ضبط ہے۔ البتہ یہ کام تاریخ شناس دانشمندوں کی شرکت سے بڑے ہی دور رس نتایج کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس لئے تاریخ دانوں اور فارسی شناسوں کی یک جہتی اور باہمی تعاون کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ میں تو عربی دان اور لغت شناس دانشمندوں جن میں اردو زبان کے جاننے والے عالم بھی شامل ہیں کے تعاون کو ناگزیر سمجھتا ہوں اس بارے میں ہماری اس یونیورسٹی کے مربوط شعبہ جات کے اساتذہ، علماء اور ذہین و دردمند طالبانِ علم ہمارے کھوئے ہوئے یا پنہان و پوشیدہ خزانوں کی بازیافت میں معاون اور مددگار ہوں گے۔ ان شعبہ جات کے باہمی تعاون سے کشمیر علم وادب کی دنیا میں اپنی ان بلندیوں کو پالے گا جو اس کی وراثت میں تھیں۔ ایسا اہم کام کرنے سے ہمارے ادب و تاریخ سے متعلق کئی علمی شناسائیاں واضح ہو جائیں گی۔ ہم تاریخ نویسی کے فوائد سے روشناس ہوں گے۔ تاریخ اور ماتھالوجی کی تفریق، تاریخ نویسی کی روایات اور تاریخ کے کاموں اور دیگر باتوں جیسے تاریخ اور جامعہ شناسی کے علاوہ یہاں کے فارسی شعری اور نثری عظمتوں سے واقف ہو جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ تمام محققین علماء اور دانشمند حضرات اس وطن عزیز کے، جس کی فضاؤں میں ہمارے بزرگوار اور علم دوست آباء، جن میں ہمارے پاک کردار اولیاء کرام شامل ہیں کے عطر بیز انفاس پھیلے ہوئے ہیں کے آثار کو کتابی تہہ خانوں، کتابی کمروں، الماریوں اور صندوقوں کی قید و بند سے اپنی تلاش و جستجو سے آزاد

کر کے ان کی تجدیدِ حیات کے اقدام کریں گے اور اپنی وراثت کی رفعتوں کی آگاہی کی راہ سے دنیا میں ہمارے ادبی تشخّص کا مقام تعیّن کرنے میں اپنا حصہ ادا کریں گے۔ اپنی قوم کو زندہ رکھنے کی ایک شاہراہ یہی ہے پس ایسا کرنا محققین و مؤرخین پر فرض بھی ہے اور قرض بھی''۔

(پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد صاحب، کا آخری خطبہ،
شمارۂ دانش شعبۂ فارسی چاپ ۲۰۰۲ میلادی)

المختصر ہمیں اس زبان کی عظمت اور اسلاف کے تئیں انس و محبت کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے اور اس بات کا شدت سے احساس ہونا چاہیے کہ ہمارا اصل ثقافتی اور تہذیبی و تمدنی سرمایہ اس زبان میں ضبط ہے لیکن اس کا خریدار اور شناسا کوئی نہیں رہا ہے اور یہ عظیم وراثت آہستہ آہستہ کشمیر کے لوگوں کے اذہان سے طاقِ نسیاں ہوتی چلی جا رہی ہے ضروری یہ ہے کہ اس عظیم وراثت کے احیاء کے لئے مثبت اقدام اٹھائے جائیں اور ماضی کے اس گراں قدر سرمائے کو جس پر ہم بجا طور پر نازاں ہیں معدوم ہونے سے بچایا جا سکے۔ کشمیر خطہ میں پھر کچھ حد تک اس ادب کے احیاء کے لئے راہیں ہموار ہو سکتی ہیں لیکن جموں خطہ میں اس کا معدوم ہونا قریب تر دکھائی دیتا ہے کیوں کہ ریاست یا ملک کا سب سے بڑا علمی ادارہ ایک یونیورسٹی ہوتی ہے۔ جموں یونیورسٹی کو قائم ہوئے کم و بیش پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ابھی تک وہاں عربی اور فارسی جیسی آفاقی زبانوں کے شعبہ جات موجود نہیں ہیں جو ایک المیہ ہے ارباب اقتدار کو چاہیے کہ اس حقیقت کی طرف اپنی توجہ کو مبذول کریں کہ وہاں ان زبانوں کے شعبہ جات کے کھولے جانے کی اشد ضرورت ہے تا کہ بلا کسی امتیاز

مذہب وملت، رنگ ونسل جموں خطہ کے لوگ بھی ماضی کے درخشندہ مگر گم گشتہ ورثہ سے واقف ہوسکیں، اپنے تابناک ماضی سے شناسائی حاصل کرسکیں اور اپنے آباء واجداد کے عظیم ورثہ کو معدوم ہونے سے بچا پائیں۔ جموں خطہ کے باشندگان فارسی ادب کے تئیں بہت محبت ورغبت رکھتے ہیں لیکن ان کی یہ محبت سینوں میں دبی رہ جاتی ہے یہ حقیقت ہے کہ فارسی ادب نے علمی وادبی دنیا میں اپنی جڑوں کو اس قدر پھیلا دیا ہے کہ چاہے اس کے پودے کو تنے سے کاٹ دیا جائے پھر بھی اس کی جڑیں علمی وادبی زمین میں پیوست رہیں گی اور اور بادِ مخالف اس ادب کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی بلکہ اس کو پروان چڑھنے میں مدد کرے گی چوں کہ فردوسیؔ جیسے بلند پایہ شاعر نے کچھ اسی طرح کے چند اشعار کہے ہیں جو درج ذیل ہیں:

جہان کردہ ام از سخن چون بہشت　　ازین پیش تخم سخن کس نکشت
بناہای آباد گردد خراب　　ز باران و از تابش آفتاب
پی افگندم از نظم کاخی بلند　　کہ از باد و باران نیابد گزند
نمیرم ازین پس کہ من زندہ ام　　کہ تخم سخن را پراگندہ ام

(فردوسیؔ)

خلاصہ یہ کہ میری بات محدود ہے اور جو کہنا ہے وہ لامحدود اس لئے اسی پہ اکتفا کرتا ہوں کیوں کہ جذبہ واشتیاق وشوق نے مجھے اکسایا کہ میں اس طرح کے موضوع پر ایک مقالہ لکھوں مجھے یہ احساس ہے کہ مقالہ لکھتے وقت اس نوآموز طالبِ علم سے زبان کے ساتھ انصاف ہو پانا دشوار ہے اس مقالہ کو چھاپتے وقت کئی چھاپی غلطیاں ہوسکتی ہیں جن کے لئے معذرت خواہ ہوں۔